

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے قطاب کی کوششیں

(غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

* محمد شہباز منج

** محمد ریاض محمود

Abstract

In the Sub-Continent, Sir Syed Ahmad Khan (1817-1898) was the first exegete of the Quran who, due to Orientalistic and Western impact, adopted Modernity in the field of exegeses. He was followed by several Exegetes in this region. Amongst them a modernist Pakistani Exegete Mr. Ghulam Ahmad Pervaiz (1903-1985) is a well known figure. He adopted Sir Syed's Exegetical view point and expanded it in above mentioned perspective. Mr. Pervaiz is so much impressed by the Western writers. In most of the cases, accepting western thinking as standard of truth, he can be seen trying his best to harmonize Quranic concepts with the western thoughts. A reader of his Quranic Interpretations does not feel the Quran a very clear and evident book but ununderstandable to common man. Pervaiz Sahib's such strange interpretations made his exegetical writings invaluable and unacceptable to the scholars and researchers. Ulama (traditional scholars) had to reject him since his interpretations were attacking to the traditional Islamic concepts, he was rejected by the modernist alsos. Even if we set aside the rejection of Ulama and see according to the view point of modernism, he cannot succeed in the field of Islamic knowledge, as he hurt modernism also.

سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) برصغیر میں وہ پہلے مفسر تھے جنہوں نے مغربی فکر سے متاثر ہو کر تہجد پسندانہ تفسیری نقطہ نظر اختیار کیا۔ آگے چل کر اس خطہ میں ان کے زاویہ فکر کو جن اہل تفسیر نے اپنایا اور مذکورہ

* اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

** لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سینیٹاٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

تناظر میں اسے مزید وسعت دی ان میں پاکستان کے معروف تجدید پسند مفسر غلام احمد پرویز (۱۹۰۳ء-۱۹۸۵ء) کا نام نمایاں ہے۔ پرویز صاحب مغربی اہل قلم کے نتائج فکر سے خاصے متاثر اور اسلام کی ایسی تعبیر پیش کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں جو مغربی افکار و خیالات سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو۔ پرویز صاحب نے اپنی تجدید پسندانہ فکر کی ترویج کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کیں۔ ان کی معروف تصنیفات میں من ویز داں، البلیس و آدم، جوئے نور، برقی طور، شعلہ مستور، معراج انسانیت، جہان فردا، کتاب التقدير، معارف القرآن، مفہوم القرآن اور مطالب الفرقان وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی قریباً تمام تصانیف میں مغربی فکر سے موافقت کی خواہش واضح دکھائی دیتی ہے۔ یہاں ہمارا مقصود بالخصوص ان کی تفسیر مطالب الفرقان، جو سات جلدوں میں ہے اور جن کو سورہ الحجرتک لکھ پائے تھے کہ پیغام اجل آپہنچا، پر مذکورہ حوالے سے گفتگو کرنا ہے۔

تفسیری اصول:

سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ پرویز صاحب نے اپنی تفسیری نگارشات کے لیے کون کون سے تفسیری اصول متعین کیے۔ مطالب الفرقان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ابتدائیں نے مروجہ قدامت پسندانہ طریق پر قرآن کا مطالعہ کیا لیکن جب حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پرکھنے کا شعور پیدا ہوا تو میں نے دیکھا کہ جو کچھ میں نے قرآن سے سمجھا تھا وہ مجھے حقیقت سے بہت دور لے گیا تھا۔ برسوں تک میں ریب و تشکیک کی پر خارا دیوں میں وقف کرب و اضطراب رہا۔ بالآخر میری قسمت نے یاری کی اور یہ حقیقت میری سمجھ میں آئی کہ قرآن کے سمجھنے کا صحیح طریق کیا ہے۔ قرآن کریم نے اپنے آپ کو نور یعنی روشنی کہا ہے اور روشنی اپنے وجود کی دلیل آپ ہوتی ہے۔ اسے تلاش کرنے کے لیے خارجی چرانگوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہذا قرآن خود قرآن ہی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ (۱)

ایک اور جگہ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قرآن مجید کو خالی الذہن ہو کر سمجھنے کی کوشش کیجئے اس کے بعد اگر ایسی باتیں سامنے آئیں جو سر دست آپ کی سمجھ میں نہ آتی ہوں، تو قرآنی حقائق کو کھینچ تان کر اپنی عقل کے قالب میں ڈھالنے کی سعی ناکام نہ کیجئے۔ بلکہ قرآنی حقائق کو اپنی جگہ محکم اور اٹل سمجھتے ہوئے انتظار کیجئے تا آنکہ مزید تحقیق و تدبر آپ کی عقل میں اتنی وسعت پیدا کر دے کہ اس میں قرآنی حقائق سما سکیں۔... ہمارے تمام رجحانات و معتقدات قرآن کے تابع ہونے چاہئیں اور بس۔“ (۲)

ایک اور اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قرآن بلسان عربی میں نازل کیا گیا ہے۔ علم اللسانیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت مجھ پر واضح گاف ہو چکی تھی کہ مورخ زمانہ سے زبانوں کے الفاظ کے معانی

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے قطابق کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

میں کس قدر فرق آجاتا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے ضروری ٹھہرا کہ یہ دیکھا جائے کہ زمانہ نزول قرآن میں ان الفاظ کے کیا معانی سمجھے جاتے تھے۔ (۳)۔ چنانچہ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے محاورہ عرب کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ (۴) قرآن مجید کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا اس لیے عربی زبان کی مستند کتب لغت و تفسیر کی مدد سے قرآن مجید کے تمام الفاظ کے معانی پوری وسعت و جامعیت کے ساتھ متعین کیے جائیں اور اس کے لئے جہاں تک ہو سکتا ہو پیچھے جائیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نزول قرآن یا اس سے قریب تر زمانہ میں ان الفاظ سے کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔ (۵)

پرویز صاحب نے قرآن فہمی کا ایک اور طریقہ تشریف آیات بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کا انداز دیگر کتابوں کا سا نہیں۔ اس کے متعلق یوں سمجھیے کہ جیسے یہ تیس سال کے عرصے کے ارشاد فرمودہ مختلف خطبات کا مجموعہ ہو۔ اس میں ایک بات ایک مقام پر آتی ہے تو اسکی مزید وضاحت دوسرے مقام پر۔ اضافہ کسی اور جگہ، استثناء کسی اور سورۃ میں۔ اس طریق سے اس نے اپنی اصطلاحات کا مفہوم بھی متعین اور واضح کیا ہے۔ (۶)

قرآن کریم کو سمجھنے کی اگلی شرط پرویز صاحب کے نزدیک تدبر فی القرآن ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن مجید کو تقلیداً سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی اور کا فکر و تدبر دوسرے کے لئے سند و حجت ہو سکتا ہے۔ تدبر فی القرآن کے سلسلہ میں ایک اور حقیقت یہ بھی پیش نظر ہونی چاہئے کہ قرآن کی رو سے جوں جوں انفس و آفاق میں پوشیدہ حقائق بے نقاب ہوتے جائیں گے قرآنی دعویٰ کی صداقت نکھر کر سامنے آتی جائے گی۔ لہذا قرآن کریم میں غور و تدبر کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے زمانہ میں علم انسانی جس سطح پر پہنچ چکا ہے اس پر بھی اس کی نگاہ ہو۔ قرآن انسانی زندگی کے تقاضوں کا حل پیش کرتا ہے اگر کسی کو یہی معلوم نہ ہو کہ اس زمانہ کے تقاضے کیا ہیں اور انسانی فکر کی کوششیں ان کے متعلق کس نتیجہ پر پہنچی ہیں تو وہ قرآن سے کیا رہنمائی حاصل کر سکے گا۔ (۷)

قرآن فہمی کے سلسلہ میں پرویز صاحب کے نزدیک اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ قرآن کے بعض احکام متعین ہیں اور بعض اصول و اقدار کی شکل میں۔ جہاں تک اصول و اقدار کا تعلق ہے، ان کی عملی جزئیات قرآن کریم نے خود متعین نہیں کیں بلکہ انہیں اسلامی مملکت پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان پر عمل پیرا ہونے کے طریق وضع کرے۔ اس طرح امت میں وحدت فی العمل پیدا ہوگی اور برقرار رہے گی۔ تدبر فی القرآن کے سلسلہ میں ایک بنیادی شرط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”جب تک آپ اپنے ذہن کو پہلے سے قائم شدہ نظریات، معتقدات اور تصورات سے پاک نہیں کر لیں

گے قرآن کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکے گا۔ جو شخص پہلے سے کوئی خیال قائم کر کے قرآن کی طرف اس لیے آتا ہے کہ اسے اپنے خیال کی سند اور تائید قرآن سے حاصل ہو جائے اس کی رسائی صداقت تک نہیں ہو سکتی۔“ (۸)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”باقی رہا یہ کہ ہم اپنے ذہن میں پہلے سے ایک عقیدہ قائم کر لیں اور پھر اس کے تائیدی شواہد تلاش کرنے کے لئے قرآن مجید کی ورق گردانی کریں تو یہ تدبر فی القرآن کا ایسا طریقہ ہے جسے درحقیقت ’تدبر فی القرآن‘ کہنا ہی غلط ہے قرآن مجید کو اپنے خیالات و تصورات کے تابع لے آنا بہت بڑی جسارت ہے۔ اس سے دلوں پر مہریں لگتی اور آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔“ (۹)

متذکرہ صدر اصول اور پرویز صاحب کا تفسیری رویہ:

اس بحث سے قطع نظر کے پرویز صاحب کے بیان کردہ اصول فہم قرآن تمام کے تمام صحیح ہیں یا غلط، جو بات ایک عام قاری کو بھی ان کے تفسیری لٹریچر کے مطالعہ کے دوران کھٹکتی ہے وہ ان کا اپنے وضع کردہ اصولوں سے انحراف ہے۔ متذکرہ صدر اقتباس میں تفسیر قرآن کے حوالے سے پرویز صاحب نے جس بڑی جسارت کا ذکر کیا ہے ان کے تفسیری لٹریچر میں یہ جسارت جا بجا کی گئی ہے۔ وہ جگہ جگہ اپنے وضع کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کھینچ تان کر ایسا نقطہ نظر اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مغربی فکر سے زیادہ سے زیادہ میل کھاتا ہو۔

عبدالرحمان طاہر سورتی جنہوں نے پرویز صاحب کی لغات القرآن کو ریوایز کیا تھا ان کی قرآن فہمی سے متعلق رقمطراز ہیں:

”قرآن مجید کے بارے میں پرویز صاحب ایک نئی تفسیر کر دینے کے عادی ہیں اور اس ضمن میں ان کا ایک نیا تلافیہ وجہ شادابی قلب بنتا رہتا ہے جس میں وہ یہ کہتے کہ یہ معنی ہمارے موجودہ زمانہ کے علم کے مطابق کیے گئے ہیں جوں جوں تحقیقات کے بعد علمی سطح بلند ہوگی ان کے معانی و مفہوم بدلتے رہیں گے۔“ (۱۰)

پرویز صاحب جگہ جگہ اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ جو شخص پہلے سے کوئی عقیدہ یا تصور قائم کر کے قرآن کی طرف آئے گا وہ اس سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔ لہذا قرآن کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کرنا چاہیے۔ لیکن ان کی یہ اصول پسندی اس وقت دھری کی دھری رہ جاتی ہے جب وہ پرانے زمانے کے یونانی فلاسفرز یا موجودہ دور کے یہودی اور عیسائی آئمہ فکر اور مستشرقین کے نتائج فکر کی قرآن سے تائید مہیا کرنے میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔

پرویز صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے:

’میں نے انسانی زندگی کے اہم مسائل میں سے ایک ایک مسئلہ کو لیا اور یونان کے فلاسفوں سے لے کر اس وقت تک ان کے متعلق مختلف آئمہ فکر نے جو کچھ کہا ہے اس کا بغائر مطالعہ کیا۔ اس طرح ایک ایک مسئلہ کے متعلق انسانی فکر کے اہم گوشے میرے سامنے آ گئے۔ اس کے بعد میں نے انسانی فکر کی اس اڑھائی ہزار سالہ کدو کاوش کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں کیا (یا قرآن کا مطالعہ اس فکر کی روشنی میں کیا)۔ قرآن کا اس طرح مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا ایک ایک دعویٰ زندہ حقیقت بن کر میرے سامنے آ گیا۔ اس کے بعد میرے لیے زندگی کے مختلف مسائل کے متعلق قرآن کی رہنمائی کا تعین کچھ مشکل نہ رہا۔ مجھے قرآن کی صداقتوں کا جو یقین اس طرح حاصل ہوا وہ نہ زبان سے بیان ہو سکتا ہے نہ قلم سے ادا۔۔۔ مدت سے میرا جی چاہتا تھا کہ جس انداز سے میں نے قرآن کو سمجھا ہے اس میں دوسرے ارباب ذوق و فکر کو بھی شامل کر سکوں لیکن یہ مرحلہ بجائے خود بڑا ہمت طلب تھا۔‘ (۱۱)

پرویز صاحب کا تفسیری اصول تو یہ تھا کہ قرآن نے خود کو روشنی کہا ہے اور روشنی اپنے وجود کی دلیل آپ ہوتی ہے اسے تلاش کرنے کے لیے خارجی چراغوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن مذکورہ اقتباس صاف بتا رہا ہے کہ وہ اڑھائی ہزار سالہ انسانی فکر کے چراغ لے کر قرآن کی روشنی تلاش کرنے نکلے تھے۔ پھر ان کا کہنا تھا کہ قرآن کو خالی الذہن ہو کر سمجھنا چاہیے لیکن یہاں وہ انسانی فکر کی اڑھائی ہزار سالہ کاوش کو ذہن میں لیے قرآن سمجھنے جا رہے ہیں۔ جب قرآن کی رہنمائی کا تعین انسانی فکر و فلسفہ کی روشنی میں ہو گا تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جہاں جہاں قرآن کی رہنمائی انسانی فکر و فلسفہ کی رہنمائی سے مختلف ہو وہاں کھینچ تان کر اس کے مطابق کر ڈالی جائے۔ پرویز صاحب کے تفسیری رویے کا یہی نتیجہ نکلا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مغربی نقطہ نظر سے قریب تر لے جانے کے لیے قرآن کی صریح اور متفق علیہ باتوں کی نہایت رکیک اور دور از کار تاویل کرنے یا ان کے معانی و مفہیم کو یکسر بدل ڈالنے میں کچھ باک محسوس نہیں کرتے۔ پروفیسر عزیز احمد کے بقول سید احمد خان سے لے کر آج تک تمام جدید پسندوں میں غالباً پرویز وہ واحد شخص ہیں جو مغربی نقطہ نظر کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ وہ عجیب و غریب او غیر معقول توضیحی اصطلاحات تخلیق کر کے صحیح نفاظ نظر کو پامال کر دیتے ہیں۔ انہوں نے مختلف امور سے متعلق قرآنی بیانات کو دور جدید کے تصورات کا جامہ پہنانے کی غرض سے نہایت غلط اور دور از کار تاویلات سے کام لیا ہے۔ (۱۲)

پرویز صاحب اپنی من پسند تاویلات میں جس حد تک جاتے ہیں اور ایک غیر جانبدار قاری ان کی

تاویلات کے مطالعہ کے دوران جس طرح کے احساس سے دوچار ہوتا ہے اس کی ایک جھلک کے لیے جاوید احمد غامدی کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

”تنقید سے پہلے ایک فرد کے بارے میں ممکن حد تک حسن ظن سے کام لینا چاہئے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تفہیم کلام میں غلطی لگ جائے اور یہ وہ بات ہے جس سے کوئی غیر معصوم مستثنیٰ نہیں۔ تاہم بعض ”تحقیقات“ ایسی ہوتی ہیں کہ حسن ظن سے کام لینا آسان نہیں ہوتا۔ پرویز صاحب کا مطالعہ کرتے وقت بھی ایک ایسا مرحلہ آتا ہے جب صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی بعض صریح باتوں کو نہیں ماننا چاہتے۔“ (۱۳)

پرویز کا مستشرقین اور مغربی اہل فکر سے شدید تاثر اس حقیقت سے صاف ظاہر ہے کہ اپنی قرآنی تاویل و تعبیر کی تائید میں وہ بسا اوقات مغربی مفکرین کے اقتباسات ہی پیش فرماتے ہیں اور بقول ڈاکٹر جمیل جالبی اسلامی مساوات، اسلامی اخلاق اور اسلامی نظام معاشرت کی تشریح اسی زاویے سے کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام کے اس نئے روپ کو دنیا کے سامنے فخر سے پیش کیا جاسکتا ہے اور ایسا کرنے سے مغربی دنیا جوق در جوق اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے گی۔ وہ اسلام کو مغربی تہذیب کے شانہ بشانہ چلانے کے خیال میں ساری تاریخ کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ (۱۴)

اب ہم مذکورہ تناظر میں پرویز صاحب کی قرآنی فکر کا بالخصوص ان کی تفسیر مطالب الفرقان کی روشنی میں مختلف عنوانات کے تحت قدرے تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

تصورِ الہ:

تصورِ الہ کے حوالے سے پرویز صاحب کی تفسیری نگارشات کا مطالعہ کریں تو وہ مذکورہ حوالے سے روایتی اسلامی تصور کو سختی سے مسترد کرتے اور نیا مغربی تصورِ الہ پیش کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ خدا کا یہ تصور کہ وہ قادر مطلق ہے، جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے، کر سکتا ہے، اس پر کوئی پابندی نہیں، سب اس کے سامنے جوابدہ ہیں وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، وہی قابل ستائش و پرستش ہے، مومنین کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے، چونکہ جدید مغربی فکر کے لیے قابل قبول نہیں اس لیے وہ بڑے شد و مد سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ مغربی اہل فکر کی آراء کو بلا جھجک تائید و نقل کرتے ہیں۔

مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے بعد وسیع پیمانے پر یا تو خدا کا انکار ہی کر ڈالا گیا یا پھر کائنات میں اس کا کردار ایک جدید جمہوری ریاست کے برائے نام بادشاہ سے بھی کم تر تصور کر لیا گیا۔ ایسے ہی تصور خدا کا نتیجہ تھا کہ جدید مغرب

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے تطابق کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

میں کائنات کے عام مشاہد قوانین میں کسی بھی طرح کی مادی مداخلت (جس سے خدا کا قادر مطلق ہونا ثابت ہوتا ہے) کو جہالت و وہم پرستی سے تعبیر کیا جانے لگا۔ (۱۵) پرویز صاحب بھی ایسے تصور کو غلط سمجھتے ہیں جس میں خدا کو اختیار مطلق حاصل ہو اور وہ کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند نہ ہو۔ قرآنی الفاظ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَہ (۱۶) کی تشریح میں پابندی و اختیار کے حوالے خدا اور بندے کی مختلف حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بندے پر جو پابندی لگائی گئی ہے وہ اس کے خلاف کر سکتا ہے جب کہ خدا نے اپنے اوپر جو پابندی لگائی ہے وہ اس کے برعکس نہیں کرتا۔ ”اس اعتبار سے دیکھئے تو انسان صاحب اختیار رہتا ہے اور خدا ”مجبور“۔“ (۱۷) اَلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (۱۸) کی تفسیر میں تصور خدا کی بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”خدا کا جس قسم کا تصور قرآن نے پیش کیا ہے ”مذہب عالم“ میں کسی کے ہاں بھی اس قسم کا تصور نہیں تھا (نہ ہے)۔

ان کے ہاں خدا کا تصور ”بادشاہ“ کا تصور تھا جو کسی قاعدے اور قانون کا پابند نہیں ہوتا جس قسم کا جی چاہے حکم دے سکتا ہے کسی کو اس حکم کی خلاف ورزی تو ایک طرف یہ پوچھنے کی بھی مجال نہیں ہو سکتی کہ حضور مالک معظم نے ایسا حکم کیوں دیا ہے۔... جب محدود قوتوں کے مالک بادشاہ کی مطلق العنانی کا یہ عالم ہوتا ہے تو لامنتہی قوتوں کا مالک، قادر مطلق خدا کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند کس طرح ہو سکتا ہے۔ جو جی میں آئے کہے، اور جو جی میں آئے کرے، کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کہا اور ایسا کیوں کیا۔“ (۱۹)

مذکورہ تعبیر میں پرویز صاحب بالبداهت خدا کے مسئول و جوابدہ ہونے کا تصور پیش کر رہے ہیں حالانکہ یہ نصوص قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ۔ (۲۰) ”وہ جو کام کرتا ہے اس کے لیے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کے لیے) وہ جوابدہ ہیں۔“ اللہ پر بھروسہ اور توکل قرآن کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔ آنحضرت ﷺ کو متعدد مقامات پر اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۲۱) یہ مومنین کی صفت اور ایمان کا تقاضا ہے۔ (۲۲) یہ آدمی کو شیطان کے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (۲۳) اللہ پر توکل کرنے والے ہی نیک انجام اور دائمی نعمتوں کے حقدار ہیں۔ (۲۴) لیکن پرویز صاحب کارل مارکس کا حوالہ دیتے ہوئے ایسے مذہب کو جس میں خدا پر توکل کیا جاتا ہے، انسان کا خود ساختہ مذہب اور ایسے مذہب کے خدا کو سرمایہ داروں کی مصلحت کاوشوں کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ (۲۵)

قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ (۲۶) اس میں شبہ نہیں کہ

عبادت کا قرآنی مفہوم نہایت وسیع ہے جو زندگی کے جملہ معاملات میں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری شامل ہے۔ لیکن عبادتِ الہی کے ذیل میں اللہ کی پرستش، جس میں اس کے حضور قیام اور رکوع و سجود، حج اور قربانی اور کثرت سے اس کی حمد و ثنا بیان کرنا شامل ہے، کو بھی نہایت اہم مقام حاصل ہے۔ ہر چیز کو عبادت کے اول الذکر معنی میں لینا اور موخر الذکر معنی میں یکسر مسترد کر دینا قرآنی تعلیمات سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتا۔ نبی کریمؐ سے بڑھ کر کسی کی پوری زندگی عبادت کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوصف آپؐ کو راتوں کو اٹھ کر قیام کرنے (۲۷) اور دیگر مصروفیتوں سے فارغ ہو کر تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے (۲۸) کا علیحدہ طور پر اور خصوصیت کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ یہ قیام اور ذکر الہی ظاہر ہے کہ اللہ کی پرستش ہی ہے اور یہ پرستش بلاشبہ عبادت ہی کے ضمرے میں آتی ہے۔ لیکن پرویز صاحب نے اِیَّاكَ نَعْبُدُ (۲۹) کی تفسیر میں پرستش کے تصور کو سختی سے مسترد کر دیا ہے۔ ان کے مطابق قرآن میں عبادت کا لفظ پرستش کے معنی میں اہل اسلام کی طرف منسوب ہو کر کہیں استعمال نہیں ہوا۔ خدا کی عبادت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کو استخلاف فی الارض حاصل ہو۔ عبادت کو پرستش میں بدل دینے سے دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (۳۰) خدا کی حمد و ثنا، اس کے حضور رکوع و سجود اور اس کی پرستش کے تصور کو رد کرنے کے حوالے سے پرویز صاحب پر مغربی فکر کے اثر کا ثبوت، ایک مقام پر ان کے انگریز مفکر باردیو کے ان الفاظ کو تائیداً و تحسیناً نقل کرنے سے واضح طور پر مل رہا ہے، جن میں وہ کہتا ہے ”علم الہیات کا یہ عقیدہ کہ خدا نے انسان کو اپنی حمد و ستائش اور جبر و کبریائی کی تعریف و توصیف کے لیے پیدا کیا، انسانیت کی ذلت ہے۔ نہیں یہ خود خدا کی شان کے شایان بھی نہیں۔ اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ جو عقیدہ انسان کے لیے وجہ ذلت ہو وہ خدا کے لیے بھی باعث ذلت ہوتا ہے۔“ (۳۱)

تصور رسول اللہ ﷺ:

اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی عظمت اور بے مثل مقام و مرتبہ محتاج بیان نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ افضل المخلوق، امام الانبیاء اور سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی شخص یا اتھارٹی یا نظام حکومت آپ کی نسبت سے نبی یا رسول کا لقب حاصل کرنے کا مجاز نہیں ہو سکتا۔ آپ کی حیثیت کسی عام سیاسی یا معاشرتی نظام یا کسی سلطنت و حکومت کے سربراہ کی سی نہیں کہ آپ کے جانشین آپ ہی کا لقب حاصل کر کے آپ ہی کے مقام پر فائز ہو جائیں۔ لیکن جدید مغرب پسندانہ فکر میں ضروریاتِ زمانہ کی نہایت آزادانہ رعایت کے پیش نظر رسول اللہ کے بعد ان کی نسبت سے قائم ہونے والے نظام کا انہی کا منصب حاصل کر

لینا معیوب نہیں۔ اس فکر میں حدیث رسولؐ سے انکار کا سبب بھی۔

بقول علامہ محمد اسد یہی ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعبیر نام نہاد عقلیت پسندی کے خطوط پر اپنی مرضی کے مطابق کرنے کی راہ ہموار ہو جائے۔ (۳۲) چنانچہ پرویز صاحب نے اپنی تعبیرات قرآنی میں رسول اللہؐ کو بلا جھجک نظام حکومت اور مرکزی اتھارٹی کا ہم معنی بنا دیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے ”حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسران تک پہنچایا جائے۔“ (۳۳) یہی نہیں بلکہ بعض مقامات پر وہ خدا اور رسول دونوں کو مرکز ملت کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے ”یہ حقیقت کہ اللہ اور رسول سے مرکزِ مِلّت (یا نظامِ خداوندی یا اسلامی مملکت کا اقتدارِ اعلیٰ) مراد ہے قرآن کریم میں ایسے واضح الفاظ میں اور اس شرح و بسط سے بیان ہوئی ہے کہ ان مقامات کو بغور دیکھ لینے کے بعد اس میں کسی شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔“ (۳۴)

اطاعت رسول قرآن کی نہایت اہم تعلیم ہے۔ رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی ان کی اطاعت بتایا گیا ہے۔ (۳۵) رسول کی اطاعت کو خدا کی اطاعت کہا گیا ہے۔ (۳۶) لیکن غلام احمد پرویز اطاعت رسول کے تصور سے واضح طور پر گریزاں نظر آتے ہیں۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ۔ (۳۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”خدا کی ذات تو ایسی ہے کہ اس کا محسوس اور مرئی طور پر ہمارے سامنے آتا تو ایک طرف وہ ہمارے قیاس و خیال، گمان و وہم سے بھی ماوراء ہے۔ اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کیسے کی جائے۔ اس کے لیے اس نے خود ہی بتا دیا کہ میں نے اپنی کتاب تمہاری طرف نازل کر دی ہے اس کتاب کی اطاعت یا محکومیت میری اطاعت یا محکومیت ہوگی۔“ (۳۸)

پرویز کا مذکورہ استدلال انتہائی عجیب ہے۔ خدا تو غیر محسوس اور غیر مرئی ہے مگر رسول اللہؐ تو محسوس اور مرئی ہیں اور قرآن نے صاف لفظوں میں ان کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت بھی قرار دیا ہے پھر ان کی اطاعت کی بجائے کتاب کی اطاعت والی تعبیر کی کیا ضرورت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ رسول کی اطاعت کتاب اللہ کی تعلیمات کی پیروی کے ہم معنی ہے لیکن اطاعت کے لیے بجائے خود جس عملی نمونہ کی ضرورت ہے وہ ظاہر کہ رسول اللہؐ ہی ہو سکتے ہیں اور اسی لے قرآن نے انہی کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ (۳۹) مزید برآں اگر اطاعت کتاب ہی کا حکم مطلوب تھا تو اطیعوا الرسول کی بجائے اطیعوا الکتاب کہنے میں کونسا امر مانع تھا؟

قرآن کے مطابق ایسے لوگ صاحب ایمان نہیں جو اپنے نزاعی معاملات میں رسول اللہؐ کو حکم نہیں مانتے اور آپؐ کے کیے ہوئے فیصلے پر اپنے دلوں میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔ (۴۰) لیکن تجدد پسند فکر ایک زمانے کے فیصلوں کو

تاقیامت مانے کو دقتاً نو سیت سے تعبیر کرتی اور نئے زمانے میں نئے فیصلوں کے نفاذ اور پرانے فیصلوں کو ضرورتاً بدل دینے میں ترقی و عروج کا راز مضمر پاتی ہے۔ پرویز صاحب اپنے مزمومہ اسلامی نظام، مرکز ملت اور سنٹرل اتھارٹی کو مذکورہ تناظر میں مکمل باختیار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”(اسلامی نظام) سابقہ ادوار کے فیصلوں میں، خواہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں ہی کیوں نہ صادر ہوئے ہوں، رد و بدل کر سکتا ہے اور بعض فیصلوں کو منسوخ بھی کر سکتا ہے۔“ (۴۱)

ملائکہ، شیطان اور جنات:

اسلام ملائکہ، شیطان اور جنات کا ذکر واضح طور پر غیر مرئی واقعی وجودات کے طور پر کرتا ہے۔ یہ تصور مختلف دیگر مذاہب میں بھی موجود رہا ہے۔ لیکن یورپ میں جدید سائنسی و مادی افکار کے تناظر میں ان غیر حسی و غیر مرئی مخلوقات کے انکار کا رجحان پیدا ہو گیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین کے مقالہ نگار کے مطابق جدید عقلیت پسند Demons کے وجود کو قدیم انسانوں کو توہمات سے تعبیر کرتے ہیں جن کا ان لوگوں کے اپنے ذہنوں کے سوا کہیں وجود نہیں۔ اس خیال کی اشاعت میں معروف ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ کا خصوصی حصہ ہے۔ (۴۲) تجرید پسند مسلم اہل فکر کا مذکورہ مغربی فکر سے تاثر ان مخلوقات کے غیر مرئی خارجی وجودات سے انکار پر منتج ہوا۔ غلام احمد پرویز بھی اس فکر سے متاثر ہیں۔ وہ بھی ملائکہ، شیطان اور جنات کو الگ اور مستقل غیر مرئی مخلوقات تسلیم نہیں کرتے۔

ملائکہ کا قرآن حکیم کی متعدد آیات میں جس طرح سے ذکر کیا گیا ہے، اس سے نہایت صراحت کے ساتھ ان کا ذاتی تشخص اور خارجی وجود ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ دو دو تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ (۴۳) انسان کے دائیں بائیں بیٹھے اس کے اعمال لکھ رہے ہیں۔ (۴۴) انسانوں کی رو حیں قبض کرتے ہیں۔ (۴۵) خدا کے عرش کو اٹھائے ہوئے، اس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں۔ مومنین کے لیے مغفرت، دخول جنت اور دوزخ سے بچائے جانے کی دعائیں کرتے ہیں۔ (۴۶) لیکن پرویز صاحب ملائکہ کو فطرت کی قوتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قصہ آدم میں ملائکہ کا آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد درحقیقت فطرت کی قوتوں کا بنی نوع انسان کے لیے مسخر کیا جانا ہے۔ (۴۷) پرویز صاحب کی اس تعبیر کو فرشتوں سے متعلق قرآن کے مذکورہ صدر بیانات کی روشنی میں دیکھیں تو مطلب یہ نکلتا ہے کہ فطرت کی قوتوں کے کئی کئی پر ہیں وہ لوگوں کے اعمال لکھتی اور مومنین کے لیے دعائیں کرتی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی طرح صحیح نہیں۔

شیطان کو بھی قرآنی بیانات ایک خارجی وجود ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ وہ نوع جن کا ایک فرد تھا جس

نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی۔ (۴۸) اسے کہا گیا کہ جنت سے نکل جا تو ذلیل و خوار ہے۔ (۴۹) اس نے اللہ سے کہا مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیجئے۔ (۵۰) اس نے کہا مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا۔ (۵۱) لیکن پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ شیطان کوئی موجود فی الجارج ہستی یا شخصیت نہیں بلکہ انسان کے اپنے فیصلوں، ارادوں اور جذبات سے عبارت ہے۔ (۵۲) یوں ہو تو انسان کے فیصلے، ارادے اور جذبات نوع جن کا ایک فرد قرار پائیں گے جنہیں جنت سے نکالا گیا، انہوں نے قیامت تک اللہ سے مہلت مانگی اور کہا کہ ہم لوگوں کو تیرے راستے سے بھٹکانیں گے۔ اور یہ بدیہی طور پر غلط ہے۔

جہاں تک جنات کا تعلق ہے تو ان سے، پرویز صاحب کے نزدیک، قرآن کی مراد جنگلی، صحرائی اور خانہ بدوش انسان ہیں۔ (۵۳) لیکن یہ تعبیر عجیب تر ہے۔ شیطان اوپر ذکر کردہ نص قرآنی کے مطابق جنات میں سے تھا۔ اگر جن جنگلی صحرائی اور خانہ بدوش انسان ہیں تو شیطان بھی انہی میں سے ہوگا۔ کیا شیطان کے جنت سے نکالے جانے کے وقت اس کے ہم قبیلہ جنگلی صحرائی اور خانہ بدوش انسانوں کے وجود کا کوئی ثبوت ہے؟ پھر یہ تو مجسم انسان ہیں یہ انسان کے اپنے فیصلوں، ارادوں اور جذبات سے کیسے عبارت قرار پائیں گے؟ مزید برآں غیر جنگلی اور غیر صحرائی لوگوں کے فیصلے، ارادے اور جذبات کیا ہونگے؟ رہے جنات کے حوالے سے قرآنی بیانات تو وہ ان کے انسانوں سے الگ مادہ آتشی سے پیدا ہونے والی عام نگاہوں سے پوشیدہ ایک مستقل مخلوق ہونے پر اتنے صریح ہیں کہ پرویز صاحب کی تعبیر کو کسی طور قبول نہیں کرتے۔ (۵۴)

قیامت اور جنت و جہنم:

قرآن مجید سے مترشح ہوتا ہے کہ قیامت اور جنت و جہنم وغیرہ کا معاملہ بس روحانی نہیں بلکہ جسم اور روح دونوں سے متعلق ہے۔ بعثت بعد الموت اور انسانوں کا جسمانی طور پر زندہ ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے اللہ کے حضور حاضر ہونا قرآن کے ان بنیادی مقدمات میں سے ایک ہے جس کا اس نے نہایت زور دار الفاظ میں تکرار کے ساتھ اثبات کیا ہے۔ (۵۵) اگر حشر محض روحانی ہوتا تو منکرین و کفار کی اس بحث کے جواب میں کہ مر کر مٹی میں ملے ہوئے اور بوسیدہ ہڈیاں ہوئے اجسام کیونکر دوبارہ زندہ ہونگے؟، صرف یہ کہہ دینا کافی نہ ہوتا کہ ہم کب یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیاں اور جسم از سر نو زندہ ہونگے؟ بس تمہاری روحوں کو جمع کر کے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور یوں شاید وہ بھی بار بار معترض نہ ہوتے اور قرآن کو بھی بار بار یہ نہ کہنا پڑتا کہ ہاں ہاں تمہاری بوسیدہ ہڈیاں اور گلے سڑے جسم ضرور دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ جنت و جہنم اور ان کے نعمات و آلام بھی قرآن کے

بہت سے بیانات کی رو سے محض روحانی قرار نہیں دیے جاسکتے۔ (۵۶) معاد کے بارے میں حسی تصورات عیسائیت وغیرہ مذاہب میں بھی موجود رہے ہیں۔ لیکن یورپ میں سائنسی نشاۃ ثانیہ کے دور میں جہاں دیگر مذہبی عقائد شکست و ریخت کا شکار ہوئے وہاں معاد سے متعلق نقطہ نظر بھی تبدیل ہو گیا۔ اب اخروی جزا و سزا صرف روحانی سمجھی جانے لگی اور جنت و دوزخ کی تعبیر محض کیفیات سے ہونے لگی۔ (۵۷) مغرب میں ایک طرف تو جسمانی جزا و سزا کے قدیم مسیحی تصور کو نئی تعبیر سے روحانی بنانے کی کوشش کی گئی اور دوسری طرف اسلام کو یہ الزام دینے کی کوشش کی گئی کہ اس نے بدو عربوں کو متاثر کرنے کی غرض سے مسیحیت وغیرہ مذاہب کی تقلید میں جزا و سزا کے تصور کو حسی رنگ میں پیش کیا۔ ”رچرڈ ہیل“ جنت و دوزخ وغیرہ کے اسلامی تصور کو یہودیت، عیسائیت اور زردشت وغیرہ مذاہب سے ماخوذ بتاتا ہے، جنہیں کچھ مقامی رنگ و روغن لگا کر پیغمبر اسلام نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ مثلاً اس کے نزدیک قرآن میں اہل دوزخ کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا انجیل میں موجود Lazarus سے مشابہ ہے اور جہنم کا تصور ایتھوپک کے توسط سے عبرانی کے ge-hinnom سے ماخوذ ہے۔ (۵۸) ولیم میور کے مطابق قرآن نے جنت و جہنم کے مناظر کو، بے آب گیاہ زمین کے باسی عربوں کو متاثر کرنے کے لیے، مادی مسرتوں کی صورت میں پیش کیا۔ (۵۹)

معاد سے متعلق غلام احمد پرویز کا تفسیری مواد اس ضمن میں ان کے مغربی اہل فکر سے تاثر کا واضح عکاس ہے۔ لفظ جہنم کو وہ رچرڈ ہیل ہی کی طرح عبرانی کے ”جی ہنوم“ سے ماخوذ ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق زمانہ قدیم میں یروشلم کے جنوب میں ایک وادی تھی جس میں ملوک دیوتا کا مندر تھا۔ وہاں انسانوں کو زندہ جلا کر اس دیوتا کے حضور قربانی پیش کی جاتی تھی۔ عبرانی زبان میں وادی کو جی کہتے ہیں اور اور جس شخص کی طرف وہ وادی منسوب تھی اس کا نام ہنوم تھا۔ اس بنا پر اس وادی کو جس میں انسانوں کو جلا کر قربان کیا جاتا تھا ”جی۔ ہنوم“ (یا جہنم) کہا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے جہنم سے مراد ”انسانیت کی قربان گاہ“ ہوگا اور عذاب جہنم کا مفہوم ہوگا انسانیت سوز عذاب خواہ اس کی شکل کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن اپنے بسیط حقائق کو محسوس تشبیہات و تمثیلات کے ذریعہ سمجھاتا ہے۔ ایسے ہی اس نے جہنم کی کیفیت سمجھائی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہنم کسی گڑھے یا ایسے مقام کا نام نہیں جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور مجرموں کو اس میں جھونک دیا جائے۔ بلکہ دراصل یہ انسان ہی کے قلب سوزاں کی کیفیت اور اعمال بد کے نتیجے میں اس کے اندر پیدا ہو جانے والے اضطراب پیہم اور کرب مسلسل کا نام ہے۔ (۶۰) جنت بھی پرویز صاحب کے نزدیک تمثیلی و تشبیہی اور ایسی مثالوں سے عبارت ہے جو قرآن کے اولین مخاطب عربوں کے لیے

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے تطابق کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

متاثر کن تھیں۔ گھنے باغات جن میں صاف شفاف چشمے ہوں اور ان کا ٹھنڈا پانی چاروں طرف بہہ رہا ہو، درخت پھلوں سے لدے، دودھ اور شہد کی ایسی افراط کہ گویا ان کی نہریں بہہ رہی ہوں، اعلیٰ درجے کے قالین اور صوف بچے ہوئے محلات، جن میں حریر و اطلس کے پردے آویزاں، بلوریں آفتابے، چاندی سونے کے ظروف، لطیف گوشت، خوش ذائقہ مشروبات، ہم مزاج، ہم رنگ، یک آہنگ احباب کی محفلیں۔ تپتے ہوئے صحراؤں کے باسی عربوں کی زندگی ظاہر ہے اسی طرح کی مثالوں سے سجائی جاسکتی تھی۔ (۶۱) ایک دوسری جگہ جنت و جہنم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”جنت انسانی زندگی کی مزید (اگلی اور بلند بالا) ارتقائی منازل طے کرنے کا نام ہے اور جہنم اس کے ارتقاء کے رک جانے کا نام۔“ (۶۲) یوم الحساب کے سلسلہ میں، انسانوں کے دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کی عدالت میں اپنے اعمال کا حساب دینے کے تصور کی بجائے پرویز صاحب وائٹ ہیڈ کی اس رائے کے موید ہیں کہ ”یوم الحساب تو ہر آن ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔“ (۶۳)

نظریہ ارتقاء اور قصہ آدم:

تمام الہامی کتابوں کے مطابق آدم علیہ السلام وہ پہلے انسان اور پیغمبر ہیں جنہیں خدا نے اپنے دست قدرت سے الگ اور مستقل مخلوق کے طور پر تخلیق فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے سارے انسان انہی سے پیدا ہوئے، لیکن مغرب میں نیچریت اور مادیت پر مبنی تصور ارتقاء کے پیش نظر مذکورہ مذہبی تصور کو غلط ٹھراتے ہوئے انسان کے ارتقائی ظہور کا نظریہ پیش کر دیا گیا۔ انسانی ارتقاء کا نظریہ زیادہ منظم اور مدلل انداز میں چارلس ڈارون کی ۱۸۵۹ء میں شائع ہونے والی شہرہ آفاق کتاب ’اصل الانواع‘ (Oorigin of Species) میں سامنے آیا۔ اس نظریہ کی رو سے انسان لاکھوں برس پہلے کیڑے کی شکل میں ریگتی ہوئی زندگی سے انتخاب طبعی (Natural Slection) اور بقائے اصلح (Survival of the Fittest) کے اصولوں کے تحت مرحلہ وار ترقی کرتا ہوا موجودہ شکل میں نمودار ہوا ہے۔ ابتدائے حیات، تسلسل حیات، تدریج و ارتقاء اور کاروبار کائنات کے لیے کسی خدا کی ضرورت نہیں (۶۴) بلکہ یہ سب کچھ خود بخود میکا کی انداز میں ہوتا جاتا ہے۔ نظریہ ارتقاء اگرچہ سائنسی دلائل کے لحاظ سے انتہائی کمزور تھا۔ (۶۵) تاہم اسے اس کی مذہب بیزاری کی بنا پر قبولیت عامہ حاصل ہو گئی اور پروفیسر ایم۔ اے۔ قاضی کے بقول کمیونسٹ اور غیر مذہبی رجحانات کے حامل افراد اور روایتی دینی تصورات سے برسرِ جنگ سائنسدانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ (۶۶)

غلام احمد پرویز نے انسانی ارتقاء کے ڈاروینی نظریے کو قبول کرتے ہوئے حضرت آدم اور ان کی تخلیق سے

متعلق آیات کی تشریح اسی زاویے سے کی ہے۔ ان کے نزدیک تخلیق انسانی سے متعلق قرآنی اشارات ہماری فکر کا رخ نظریہ ارتقاء کی طرف ہی موڑتے ہیں۔ انہوں نے متعدد مقامات پر نظریہ ارتقاء کے ثبوت میں قرآنی آیات سے استدلال کی کوشش کی ہے۔ ایک جگہ ڈارون کے تصور ارتقاء کو تائیداً نقل کرتے ہوئے لکھا ہے ”حیات کے جراثیمہ اولین (protoplasm) کی ابتداء سمندر میں ہوئی تھی کیونکہ اس میں اسی نوعیت اور تناسب کے نمکیات (Salts) پائے جاتے ہیں جیسے سمندر کے پانی میں۔ سمندر کا پانی جب اپنے کنارے کی مٹی سے ملا تو اس سے وہ پہلا (Cell) خلیہ وجود میں آ گیا جس میں زندگی اپنی ابتدائی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس خلیہ میں ہنوز نرمادہ کی تمیز نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اسے سائنس کی اصطلاح میں (Uni.cellular organism) کہتے ہیں۔ قرآن اسے ”نفس واحدہ“ کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کے بعد سلسلہ ارتقاء شروع ہوا۔ نفس واحدہ جوشِ نمو سے دو حصوں میں بٹ گیا جن میں سے ایک حصہ نے نر کی شکل اختیار کر لی اور دوسرے نے مادہ کی اور یوں زندگی کے پیکروں کا سلسلہ آگے بڑھنے لگا۔ یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے مختلف شاخوں میں پھیل گیا۔ ان میں سے ایک شاخ نوع حیوانات کی ہے۔ اسی سلسلہ ارتقاء نے ایک قدم آگے بڑھایا تو زندگی نے انسانی پیکر اختیار کر لیا۔“ (۶۷) ایک جگہ ڈارون سے گہرا تاثر ان کی اس تعبیر سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ ڈارون کی کتاب ’اصل الانواع‘ (Origin of Species) کو قرآنی الفاظ اُمَمٌ اُمَمًا لَّکُمْ (۶۸) کی شارح قرار دیتے ہیں۔ (۶۹) ڈارونیت پر اعتقاد، پرویز صاحب کی تعبیرات قرآنی میں، آدم کے شخصی وجود سے انکار اور شرف انسانی سے گریز پر بھی منتج ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات نہیں۔ (۷۰) آدم سے کوئی خاص انسان یا بشر مراد نہیں اور قصہ آدم خود نوع انسانی کی سرگذشت ہے۔ (۷۱)

آدم اور تخلیق انسانی سے متعلق قرآنی بیانات پر غور کریں تو پرویز صاحب کی مذکورہ تعبیرات کی واضح تغلیط ہوتی ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنٰهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ کُنْ فَبَکُوْنُ (۷۲) جیسی آیات قطعیت کے ساتھ آدم کا شخصی وجود اور انسان کا ایک الگ مخلوق کے طور پر پیدا کیا جانا ثابت کر رہی ہیں جبکہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ (۷۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۷۴) جیسی آیات بالبداهت شرف انسانی پر دال ہیں۔

معجزات:

معجزات تمام مذاہب اور کتب سماوی کا ایک اہم عنصر اور ناقابل استرداد حصہ رہے ہیں۔ (۷۵) از روئے

قرآن وحدیث معجزات کا حق ہونا اتنا بدیہی ہے کہ تمام آئمہ متفقین نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ (۷۶) فلاسفہ اور سائنسدانوں کی ایک کثیر تعداد بھی معجزات کے امکان ودقوع کو تسلیم کرتی ہے۔ (۷۷) لیکن یورپ میں علمی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ عقلیت پرستی کی جو تحریک اٹھی، اس کے نتیجے میں یورپ میں یہ تصور جڑ پکڑ گیا کہ یہ کائنات جانے بوجھے قوانین فطرت کے مطابق چل رہی ہے۔ لہذا معلوم ومعروف قوانین فطرت سے ہٹ کر کسی واقعہ کے وقوع پذیر ہونے پر ایمان رکھنا عقل وعلم سے بیزار اور جہالت و وہم پرستی ہے۔ (۷۸) بائبل کا دفاع کرنے والے لوگوں کی طرف سے بائبل میں مذکور معجزانہ واقعات کوتمثیلات سے تعبیر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ موقف بھی اپنایا گیا کہ بائبل میں یہ واقعات بعد کے زمانوں میں درآئے، مسیح کی تعلیم تو محض اخلاقیات سے متعلق تھی جس میں معجزات کا کوئی دخل نہ تھا۔ (۷۹) اسلام سے متعلق بھی یہ دعویٰ کر دیا گیا کہ قرآن میں معجزات کا کہیں ذکر نہیں، پیغمبر اسلام نے کبھی معجزہ دکھانے کا دعویٰ نہیں کیا لہذا آپ کی اور دیگر انبیاء کی طرف منسوب معجزات جو قرآن میں مذکور بتائے جاتے ہیں، غلط ہیں۔ (۸۰)

غلام احمد پرویز نے معجزات سے انکاری مغربی اہل قلم سے متاثر ہو کر معجزات کو مسترد کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ معجزہ چونکہ قانون فطرت کے خلاف ہے اور قرآن کی رو سے کوئی واقعہ خلاف قانون فطرت رونما نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں معجزات کا وجود بروئے قرآن غلط ہے۔ (۸۱) وہ قرآن میں مذکور معجزاتی نوعیت کے واقعات کو عام قوانین فطرت کے مطابق ثابت کرنے کے لیے انہیں تمثیلات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا مغربی مصنفین سے شدید تاثر صاف جھلکتا ہے۔ مثال کے طور پر معجزات مسیح کے تمثیلی ہونے کی ایک بڑی دلیل ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایک نامور عیسائی عالم (Michael Grant) نے اپنی کتاب (Jesus: An Historians Review of the Gospel) میں حضرت عیسیٰ کے معجزات پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خود حضرت عیسیٰ ان کوتمثیلات واستعارات سمجھتے تھے۔ (۸۲)

چنانچہ آیت قرآنی ”وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلَقُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ

مُؤْمِنِينَ“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے گرانٹ ہی کی طرح معجزات مسیح کو تمثیلات واستعارات ثابت کرنے کے لیے پرویز صاحب نے نہایت دور از کار تاویلات سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”عیسیٰ اس قوم سے جس کے عروقی مردہ میں زندگی کی حرارت باقی نہیں رہی، کہے گا کہ میں تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے زندگی بخش پیغام لے کر آیا ہوں۔ میں اس وحی کے ذریعے تمہیں ایسی حیاتِ نوعطا کر دوں گا جس سے تم اپنی موجودہ پستی (خاک نشینی) سے ابھر کر فضا کی بلندیوں میں اُڑنے کے قابل ہو جاؤ گے اور اس طرح تمہیں فکر و عمل کی رفعتیں نصیب ہو جائیں گی۔ یہ آسمانی روشنی تمہاری بے نور آنکھوں کو ایسی بصیرت عطا کر دے گی جس سے تم زندگی کے صحیح راستے پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ اس سے تمہاری قوم کی ویران کھیتی جس پر تر و تازگی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا پھر سے سرسبز و شاداب ہو جائے گی۔ تمہاری وہ کمینہ خصلتیں دور ہو جائیں گی جن کی وجہ سے تمہیں کوئی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتا۔ مختصر اُیہ کہ ذلت و خواری کی وہ موت جو اس وقت تم پر چاروں طرف سے چھا رہی ہے ایک نئی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔ میں تمہارے موجودہ نظامِ سرمایہ داری کی جگہ ایسا نظام قائم کروں گا جو اس کا جائزہ لیتا رہے گا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں سے کس قدر اپنے مصرف میں لاتے ہو اور کس قدر ذخیرہ (Hoarding) کرتے ہو کہ اس سے ناجائز نفع کمایا جائے۔ اس قانون میں تمہارے لیے باز آفرینی (ایک نئی زندگی حاصل کر لینے) کی بہت بڑی نشانی ہے بشرطیکہ تم اس کی صداقت پر یقین کرو۔“ (۸۳) حضورؐ کے حوالے سے مغربی اہل فکر کے تتبع میں پرویز صاحب نے موقف اختیار کیا کہ آپ نے کوئی معجزہ دکھایا نہ دکھانے کا دعویٰ کیا۔ آپ کی طرف سے لوگوں کے معجزات کے مطالبات کا جواب ہمیشہ انکار میں دیا جاتا رہا۔ (۸۴)

حدیث اور اس کی حفاظت و حجیت:

حدیثِ نبوی کلام اللہ کی تشریح و تفسیر ہے۔ حدیث کے بغیر قرآن کا صحیح فہم محال ہے۔ اسلام میں حدیث کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر اہل اسلام نے اس کی حفاظت تدوین کے سلسلہ میں بے مثل محنت و کوشش سے کام لیا۔ محققین نے نہایت قوی اور ناقابل تردید دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ احادیثِ نبوی کو عہد رسول اللہ اور عہد صحابہ کرام میں لکھنے لکھانے، محفوظ رکھنے اور آگے منتقل کرنے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ محدثین نے حدیث کو انتہائی احتیاط سے جمع و مدون کیا۔ حدیث کی جانچ پرکھ اعلیٰ ترین سائنسی معیارات کے تحت ہوئی ہے۔ بنا بریں مستند احادیث کی صحت کو چیلنج کرنا اعلیٰ ترین سائنسی معیار پر پرکھی ہوئی سچائی کو جھٹلانا ہے۔ (۸۵) لیکن مستشرقین یورپ اسلامی قانون کے اس ماخذِ ثانی کو مشکوک و مشتبہ بنانے کے لیے اس پر نہایت زور و شور سے حملہ آور ہوئے

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے قطابق کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

ہیں۔ حدیث نبوی پر اعتراضات کے حوالے سے مستشرقین کا سرخیل مشہور یہودی مستشرق گولڈ زیہر ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ احادیث اسلام کے عہد طفولیت کی تاریخ کے لیے قابل اعتبار ماخذ نہیں ہیں۔ یہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام کے دینی، تاریخی اور اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔ (۸۶) گولڈ زیہر نے اموی حکمرانوں اور علمائے صالحین، جن میں حدیث کے عظیم امام زہری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، پر اپنے مقاصد کے لیے حدیثیں وضع کرنے کا الزام عائد کیا۔ (۸۷) اس کے نزدیک اولین راویان حدیث بھی حدیث کے سلسلہ میں غیر دیانتدارانہ اور خود غرضانہ محرکات سے آزاد نہ تھے، اور اپنی ذاتی اغراض کو بلا جھجک بطور حدیث پیش کر دیا کرتے تھے۔ (۸۸) گولڈ زیہر کے بعد حدیث کے حوالے سے سامنے آنے والے استثنائی خیالات، بقول ڈاکٹر فواد سیزگین، گولڈ زیہر ہی کے افکار کی صدائے بازگشت ہیں۔ (۸۹) اے گیوم نے اپنی کتاب (The Traditions of Islam) میں جگہ جگہ گولڈ زیہر کے خیالات کو دہرایا ہے۔ (۹۰) جوزف شاخٹ (۹۱)، چارلس آدم (۹۲) اور آرتھر جیفری (۹۳) وغیرہ نے بھی گولڈ زیہر کی فراہم کردہ بنیادوں پر حدیث پر اپنے اعتراضات کی عمارت کھڑی کی ہیں۔ حدیث کے حوالے سے پرویز صاحب کے خیالات محض مستشرقین کے خیالات کا چر بہ ہیں۔ انہوں نے احادیث کی حجت اور محفوظیت کا انکار کیا اور اس ضمن میں بالبداهت استثنائی طرز استدلال اپنایا ہے۔ ان کے مطابق حدیث تیسری صدی میں ایرانی جامعین حدیث کے ذریعہ سامنے آنے والی ایک عجمی سازش ہے۔ احادیث کی اگر دین میں کوئی حیثیت ہوتی یا یہ حجت اور ماخذ دین ہوتیں تو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ ان کی حفاظت اور نشر و اشاعت کا اہتمام کرتے لیکن آنحضورؐ اور صحابہ کرامؓ نے نہ صرف یہ کہ احادیث کی حفاظت سے متعلق کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ الٹا ان کو لکھنے لکھانے سے منع کیا۔ آج احادیث کے نام سے ہمیں جو کچھ ملتا ہے یہ محض مسلمانوں میں مروج باتیں تھیں جن کو غلط طور پر حضورؐ کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں امام بخاری اور دیگر حضرات نے ان باتوں کو جمع کر کے کتب احادیث کی شکل دے دی اور یوں صدیوں بعد مرتب ہونے والے یہ مجموعے مسلمانوں میں احادیث رسول کے نام سے رائج ہو گئے حالانکہ انہیں خدا اور رسول کی کوئی سند حاصل نہ تھی۔ (۹۴)

اشتراکیت اور نظام ربوبیت:

سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم و استحصال کے رد عمل کے طور پر کارل مارکس (۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء) کے ذریعہ اشتراکی تصور یا مارکسزم سامنے آیا۔ مارکسزم کا مقصد وحید کارل مارکس کے الفاظ میں یہ ہے کہ دنیا سے ذاتی ملکیت اور شخصی و انفرادی حقوق کے خیال کو فنا کر دیا جائے۔ ملکیت مشترکہ ہو، وسائل پیداوار کو مجتمع کر لیا جائے، سرمایہ داروں کے

املاک و خزانہ تدریجاً قبضے میں لے کر تمام وسائل و ذرائع مزدوروں کی جماعت کی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز کر دیئے جائیں۔ (۹۵) سرمایہ دارانہ اور اشتراکی ہر دو نظام دو انتہاؤں سے عبارت اور افراط و تفریط کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اسلام کے اصولوں اور ہدایات کی روشنی میں معیشت کا نقشہ ابھرتا ہے وہ ان دونوں نظاموں کی خامیوں سے پاک اور اقتصادیات کے باب میں انسان کی ترقی و کامرانی کا ضامن ہے۔ لیکن غلام احمد پرویز نے مارکسی فکر سے متاثر ہو کر اسلام کو اشتراکیت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے قرآنی نظام ربوبیت کا فلسفہ تراشا اور معیشت کے مسئلے کا حل مارکسی فکر میں پنہاں بتایا۔ (۹۶) اس سلسلہ میں ان کے مارکزم کے علمبرداروں سے تاثر کی حد یہ ہے کہ وہ مذہب سے نالاں اور اس مذہبی تصور سے برسرِ جنگ دکھائی دیتے ہیں جس کی رو سے رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ کارل مارکس کا جانشین لینن مذہب کو لوگوں کے لیے ایفون قرار دیتا تھا۔ چنانچہ نظریہ مارکس کی رو سے دنیا کے تمام مذاہب اور کلیسا سرمایہ داری کے آلہ کار ہیں جن کے توسط سے مزدور جماعت کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے اور انہیں فریب دیا جاتا ہے لہذا مذہب کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہر اشتراکی کے لیے ضروری ہے تاکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے۔ (۹۷)

اور پرویز کا کہنا ہے کہ: رزق کا معاملہ خدا نے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا بلکہ یہ مذہبی پیشوائیت کی فریب کاری ہے جو عوام کو اس غلط عقیدہ کی ایفون دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کرتی رہتی ہے۔ صاحبِ اقتدار گروہ و مسائل پیداوار اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے اور پھر دوسرے انسانوں کو روٹی کا محتاج بنا کر ان سے اپنا ہر حکم منواتا ہے۔ جب بھوکے انسان اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو مذہبی پیشوائیت انہیں یہ کہہ کر سلا دیتی ہے کہ رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ جسے چاہتا ہے امیر بنا دیتا جسے چاہتا ہے غریب رکھتا ہے جسے چاہتا رزق فراوان عطا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے بھوکا رکھتا ہے کوئی انسان اس فرق کو مٹا نہیں سکتا۔ (۹۸)

عقوبات:

اسلام نے اپنی تعلیمات میں انسانی سوسائٹی کی ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے جرم و سزا کا ایک واضح فلسفہ اور مختلف جرائم کی نوعیت اور مضرت رسانی کی ٹھیک ٹھیک تعین کے بعد انتہائی موزوں اور مناسب حال سزاؤں کا تصور پیش کیا ہے، لیکن مستشرقین نے اسلامی سزاؤں کو بے جا طور پر ہدفِ تنقید بناتے ہوئے انہیں ناقابلِ برداشت حد تک سخت ظاہر کرنے کی سعی کی۔ (۹۹) تجدد پسند مسلمانوں نے اہل مغرب کی تنقید سے گھبرا کر عقوبات کے ضمن میں وارد اسلامی احکامات کی تعبیر اس انداز سے کرنے کی کوشش کی اسلامی سزائیں نرم سے نرم تر نظر

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے قطابق کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

آئیں۔ پرویز صاحب ان تجدید پسندوں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ زیر نظر موضوع کے سلسلہ میں پرویز صاحب کے حوالے سے نہایت دلچسپ امر یہ ہے کہ وہ اسلامی سزاؤں کو نرم ظاہر کرنے کے لیے بلا تکلف احادیث اور تاریخی و فقہی روایات سے استشہاد کرتے ہیں حالانکہ دیگر مباحث میں وہ ان چیزوں کو مستند اور قابل اعتبار ہی نہیں مانتے۔ مثال کے طور پر سزائے زنا کی بحث میں اس سزا کو معمولی اور نرم ظاہر کرنے کے لیے روایات اور فقہ سے استشہاد کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں کوڑوں کی سزا بہت نرم ہوتی تھی۔ لہذا ایسی کوئی سزا جائز نہ ہوگی جس سے مجرم کی کھال یا گوشت کو نقصان پہنچے۔ مزید برآں انہوں نے سعودی عرب میں کوڑوں کی سزا کی نرمی کے واقعات کے تذکرہ کے ذریعہ بھی اس سزا کو نہایت معمولی باور کرانے کی سعی کی ہے۔ (۱۰۰) حد سرقہ کے ضمن میں بھی انہوں نے روایات اور فقہ کی کتابوں سے دلائل لاتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوری کی سزا اتھ کاٹنا ایک انتہائی سزا ہے جس کے عملی اطلاق کا موقع قریب قریب ناممکن ہے اور قطعید سے درحقیقت مراد ایسا طریق اختیار کرنا ہے کہ چور چوری سے باز آجائیں۔ (۱۰۱)

تعداد ازواج:

تعداد ازواج ایک مرد کے لیے ایک وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت پر مبنی قانون ہے، جو انسان کے خالق نے اپنی حکمت بالغہ سے، انسان کی تمدنی ضروریات کے پیش نظر قائم کیا ہے۔ مستشرقین نے اس قانون کو غلط رنگ میں پیش کر کے مسلمانوں کو اپنے دین سے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ محمد خلیفہ کے مطابق تعداد ازواج اسلام کے حوالے سے مستشرقین کے ان بڑے اہداف میں سے ایک ہے، جن کے بارے میں مغرب میں خصوصیت کے ساتھ غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ (۱۰۲) تجدید پسند مسلم مصنفین مستشرقین سے متاثر ہو کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ اسلام نے دراصل تعداد ازواج کو عملاً ختم کر دیا ہے۔ غلام احمد پرویز نے بھی تعداد ازواج کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہی ثابت کرنا چاہا ہے۔ وہ تعداد ازواج کو ایسی شرائط سے مشروط کرتے ہیں جن سے یہ ناممکن العمل ہو کر رہ جاتا ہے۔ (۱۰۳) ان کے مطابق قرآن نے دراصل ایک وقت میں ایک ہی بیوی کا اصول مقرر کیا ہے۔ اگر کسی وقت بیوی سے نباہ کی صورت نہ رہے تو قرآن کی رو سے اس کی موجودگی میں دوسری بیوی کی اجازت نہیں ہاں البتہ اس کی جگہ دوسری بیوی لائی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ کا مفہوم یہ ہے کہ ”اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو اس کے لیے پہلی بیوی سے معاہدہ نکاح فسخ کرو“۔ (۱۰۵)

نتیجہ بحث:

اوپر کی بحث اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہے کہ اسلامی امور سے متعلق غلام احمد پرویز کے تصورات پر مغربی فکر کے گہرے سائے ہیں۔ وہ بیشتر معاملات میں اہل مغرب کے نتائج فکر کو معیار حق مان کر قرآنی آیات کے مفاد و مقصود کو ان سے ہم آہنگ باور کرانے کے درپے نظر آتے ہیں۔ وہ جدید افکار و نظریات سے تطبیق کی خاطر قرآنی اصطلاحات کو انتہائی دقیق معانی پہناتے اور بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ ان کی تعبیرات قرآنی کا مطالعہ کرنے والا قرآن کو کتاب مبین کی بجائے ایسی کتاب محسوس کرتا ہے جو پہیلیوں کی زبان بولتی اور پیچ در پیچ گفتگو کرتی ہے۔ پرویز صاحب کی انتہائی دوراز کارتویلات کی بنا پر ان کی تفسیری نگارشات صاحبان علم و تحقیق کے ہاں بار پانے میں ناکام رہیں۔ راسخ العقیدہ علماء نے تو پرویز صاحب پر برہم ہونا ہی تھا کہ ان کی تعبیرات سے روایتی اسلامی تصورات پر بہت جارحانہ زد پڑتی تھی، خود جدت پسند اہل علم و فکر نے بھی انہیں قبول نہ کیا۔ اگر راسخ العقیدہ علماء کی جانب سے ان کو مرتد قرار دیے جانے کو غیر اہم بھی سمجھ لیا جائے اور جدیدیت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بھی علمی میدان میں وہ بامراد نہیں ٹھرتے کہ انہوں نے جدید پسندی کو بھی مجروح کر ڈالا۔ بقول پروفیسر عزیز احمد انہوں نے معذرت خواہوں کی معذرت خواہیوں کا غیر منطقی نتیجہ نکالا اور ان کی جدیدیت اور توضیحاتی اساسیت غلط ملط ہو کر ایسی مسخ ہو گئی کہ انہوں نے الوہیت کے تصور ہی کو بدل ڈالنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف علماء نے ہی انہیں مرتد قرار نہ دیا بلکہ جدت پسند زمانے نے بھی انہیں مسترد کر دیا۔ (۱۰۶)

حوالہ جات و حواشی

- ۱۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ ۲۵-بی لکیر گ ۲ (۲۰۰۰ء)، جلد اول، ص ۷
- ۲۔ پرویز، غلام احمد، شعلہ مستور، لاہور: ادارہ طلوع اسلام (۱۹۵۸ء)، ص ۸۹-۹۰
- ۳۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۷-۸
- ۴۔ پرویز، غلام احمد، تبویب القرآن، لاہور: ادارہ طلوع اسلام لکیر گ (۱۹۸۴ء)، ص ۷
- ۵۔ پرویز، غلام احمد، مفہوم القرآن، لاہور: میزان پبلیکیشنز شاہ عالم مارکیٹ (س-ن) جلد اول، ص ۷
- ۶۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۸
- ۷۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۷
- ۸۔ ایضاً

- ۹۔ پرویز، غلام احمد، شعلہ مستور، ص ۸۹
- ۱۰۔ عبدالرحمان طاہر، ابن مریم اور پرویز، لاہور: مکتبہ علمیہ لیک روڈ (بار اول) ص ۲۸
- ۱۱۔ پرویز، غلام احمد، انسان نے کیا سوچا، لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ (۱۹۹۱ء)، ص ۱۵-۱۶
- ۱۲۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، (مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی)، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ (۱۹۸۹ء)، ص ۳۳۲-۳۳۳
- ۱۳۔ غامدی، جاوید احمد، پرویز صاحب کا فہم قرآن، لاہور: دارالتذکیر (۲۰۰۴ء)، ص ۳۷
- ۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، کراچی: فضلی سنز (۱۹۸۵ء)، ص ۱۵۸-۱۶۰
15. Longman, Green & co; Pub. by, Supernatural Relegion, London, 1874, Vol.II.p.480.
- ۱۶۔ الانعام ۶: ۱۲
- ۱۷۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد پنجم، ص ۱۲
- ۱۸۔ البقرہ ۲: ۳
- ۱۹۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۸۸
- ۲۰۔ الانبیاء ۲۳: ۲۳
- ۲۱۔ الانفال ۸: ۶۱، الشرح آء ۲۶: ۲۱، النمل ۲۷: ۷۹
- ۲۲۔ الانفال ۸: ۲
- ۲۳۔ النحل ۱۶: ۹۹
- ۲۴۔ العنکبوت ۲۹: ۵۸-۵۹
- ۲۵۔ پرویز، غلام احمد، سلیم کے نام، جلد اول، ص ۲۹۹
- ۲۶۔ الذریت ۵۱: ۵۶
- ۲۷۔ المؤمن ۳: ۷۰، بنی اسرائیل ۷: ۷۹
- ۲۸۔ المؤمن ۳: ۷۰-۸
- ۲۹۔ الفاتحہ ۱: ۴
- ۳۰۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۳۵-۳۶
- ۳۱۔ پرویز، غلام احمد، نظام ربوبیت، کراچی: ادارہ طلوع اسلام (۱۹۵۴ء)، ص ۶۱

32. Muhammad Asad, Islam at the Cross Roads, Lahore, Arfat Publications, 1955, pp128-120.
- ۳۳۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم (۱۹۸۱ء)، ص ۳۸۲
- ۳۴۔ ایضاً
- ۳۵۔ النساء: ۴: ۶۴
- ۳۶۔ النساء: ۴: ۸۰
- ۳۷۔ النساء: ۴: ۵۹
- ۳۸۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم (۱۹۸۱ء)، ص ۳۳۶-۳۳۷
- ۳۹۔ الاحزاب: ۳۳: ۲۱
- ۴۰۔ النساء: ۴: ۶۵
- ۴۱۔ پرویز، غلام احمد، شاہکار رسالت، لاہور: ادارہ طلوع اسلام (۱۹۷۳ء)، ص ۲۸۱
42. The Encyclopedia of Religion, Mircea Eliade, Editor in Chief, London & New York, 1987, Vol.4. p.291.
- ۴۳۔ فاطر: ۳۵: ۱
- ۴۴۔ ق: ۵۰: ۱۷
- ۴۵۔ السجده: ۳۲: ۱۱
- ۴۶۔ المؤمن: ۴۰: ۷-۹
- ۴۷۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد دوم (۱۹۹۶ء)، ص ۶۷-۷۰
- ۴۸۔ الکہف: ۱۸: ۵۰
- ۴۹۔ الاعراف: ۷: ۱۳
- ۵۰۔ الاعراف: ۷: ۱۴
- ۵۱۔ الاعراف: ۷: ۱۶
- ۵۲۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد دوم، ص ۵۰-۵۲
- ۵۳۔ ایضاً، ص ۴۱-۴۲
- ۵۴۔ دیکھئے مثلاً الحجر: ۱۵: ۲۷، الجن: ۷: ۹

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے تطابق کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

- ۵۵۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ یسین ۵۱:۳۶، بنی اسرائیل ۱۷:۵۱، الحج ۲۲:۵، القصمہ ۷۵:۳-۴
- ۵۶۔ مثلاً الدخان ۴۴:۴۰، الطور ۱۳:۲۰، المطففین ۸۳:۱۶-۱۷
57. Vide, The Encyclopaedia Britannica, Chicago, 1986, Vol.5 .p.789, The Encyclopedia of Religion, Op.Cit., Vol.1, p.286.
58. Vide, Bell, Richard, Introduction to the Quran, Edinburgh at the press, 1963, pp.156-161, University
59. Vide, Muir, William, The Life of Mahomet, London, Smith Elder & Co; 1877, Vol.2. pp141-145.
- ۶۰۔ پرویز غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۳۲۷-۳۲۸
- ۶۱۔ ایضاً، ص ۳۳۳-۳۳۴
- ۶۲۔ ایضاً، ص ۱۴۸
- ۶۳۔ پرویز غلام احمد، انسان نے کیا سوچا، ص ۴۰۴
- ۶۴۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے وضاحت کی ہے کہ ڈارون نے کتب مقدسہ کے نظریہ تخلیق انسانی اور اس سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی کار فرمائی کے تصور کا خصوصیت کے ساتھ انکار کیا ہے۔
- (The Encyclopaedia Britannica, Op.Cit, Vol.18, pp.996-997.)
- ۶۵۔ سائنسی اعتبار سے اس نظریہ کی کمزوری اس حقیقت سے بھی عیاں ہے کہ اس کے پر جوش تمعین اپنی جاں گسل کاوشوں کے با وصف اسے آج تک حتماً ثابت نہیں کر سکے۔ معروف ماہر حیاتیات ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے حیاتیات کے معروف ماہر اور نظریہ ارتقاء کے پر جوش حامی آر۔ بی۔ گولڈ شمڈٹ (R. B. Gold Shmidt) کے حوالے سے لکھا ہے کہ نظریہ ارتقاء کے ثبوت میں آج تک ایک بھی شک و شبہ سے بالاتر سائنسی شہادت میسر نہیں آسکی۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق جدید سائنس دان دواں گش (Duan Gish) کے نزدیک انسان کا جانور سے ارتقاء پذیر ہونا محض ایک فلسفیانہ تخیل ہے جس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں۔ ڈاکٹر باقی نے پرزور سائنسی دلائل کی بنا پر ڈارونزم کی زبردست تردید کی ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف میں نظریہ ارتقاء کے خلاف معتبر سائنسی شہادتوں کا انبار لگا دیا ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ہلوک نور باقی، ڈاکٹر قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، (مترجم، سید محمد فیروز شاہ گیلانی)، کراچی، انڈس پبلشنگ کارپوریشن، ۱۹۹۴ء، ص ۱۸۵-۱۹۵۔)
66. Kazi, M.A, Quranic Concepts and Scientific Theories, Jordan,

Amman, Islamic Academy of Sciences, 1999, pp.28-29.

- ۶۷۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد دوم، ص ۵-۶
- ۶۸۔ الانعام ۶: ۳۸
- ۶۹۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد پنجم، ص ۲۵-۲۶
- ۷۰۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۴۱
- ۷۱۔ ایضاً، ص ۶۲
- ۷۲۔ آل عمران ۳: ۵۹
- ۷۳۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰
- ۷۴۔ التین ۹۵: ۴
- ۷۵۔ عیسائیت میں معجزات، خود مغربی اہل فکر کے اقرار کے مطابق، اس قدر ضروری عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اس مذہب سے معجزات کو نکالنا، مذہب کو باطل قرار دینے کے مترادف ہے۔
- (Supernatural Religion, Op. Cit, Vol.1, pp.9-10)
76. See for detail; Bashir Ahmad Siddiqi, Dr, Modern trends in Tafsir Literature-Miracles, Lahore, Faculty of Islamic and Oriental Learning, University of the Punjab, 1988, pp.139-182
77. Ibid, pp.221-235.
78. Supernatural Religion, Op.Cit, Vol.II.p.480.
79. Ibid.p.486.
80. Bashir Ahmad Siddiqi, Dr, Modern trends in Tafsir Literature Miracles, Op.Cit, p.8. Cf Shorter Encyclopedia of Islam, article, "Mujiza"
- ۸۱۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم، ص ۹۳
- ۸۲۔ ایضاً، ص ۱۱۴
- ۸۳۔ ایضاً، ص ۱۱۲-۱۱۳
- ۸۴۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۳۰۹
- ۸۵۔ حدیث کی حجیت و اہمیت اور صحت و حفاظت سے متعلق محققین کے قوی و محکم تفصیلی دلائل کے لیے ملاحظہ ہو: محمد بن

برصغیر کے اہل تفسیر اور جدید مغربی فکر سے تقابلی کی کوششیں (غلام احمد پرویز کی قرآنی فکر کا تجزیاتی مطالعہ)

علوی الممالکی الحسنى، المنهل الطيف في اصول الحديث الشريف، بيروت: دار الفكر، ١٩٤٨ء، محمد عجاج الخطيب، ذاكتر السنة قبل التدوين، بيروت: دار الفكر، ١٩٨٠ء، سباعي، محمد مصطفى، ذاكتر، السنة و مكانتها في التشريع الاسلامي، القاهرة: مكتبة دار العرب، ١٩٦١ء، حميد الله، ذاكتر، خطبات بهاولپور، اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ١٩٩٩ء، محمود احمد غازی، ذاكتر، محاضرات حدیث، لاہور: الفیصل، ٢٠٠٢ء،

Muhammad Mustafa Azmi, Studies in early Literature, Lahore, Suhail Academy, 2001. Hadith

86. Goldziher, Ignaz, Muslim Studies, translated by C.R.Barber & S. M. Stern. Chicago, IL! Aldine Publishing, 1973, Vol. II.p.18.

87. Ibid.p.44.

88. Ibid. P.56

۸۹۔ فواد سیرگین، ذاکتر، مقدمہ تاریخ تدوین حدیث، (مترجم، سعید احمد)، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸

90. See for example; Guillume, Alfred, The Traditions of Islam, Beirut, Khayats, 1966, pp.15, 47-50,60,78.

91. Shacht,J,The Origins of Muhammadan Jurisprudence,Oxford, 1950, Idem,Islamic Law,Oxford,1964,p.34.

92. The Encyclopedia Americana, Grolier incorporated, 1984,Vol.15,p494.

93. Jeffery,Arther,Islam Muhammad and his Religion,Indiana polus, 1979, p.12.

۹۴۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم، ص ۳۴۳-۳۵۳

۹۵۔ شوکت علی گیلانی، شوشلزم اور اسلام، کراچی: انصاری کتاب گھر (۱۹۴۹ء)، ص ۳۹-۴۱

۹۶۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۱۱۵-۱۱۶-۱۳۲

۹۷۔ شوکت علی گیلانی، شوشلزم اور اسلام، ص ۴۳

۹۸۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد اول، ص ۱۰۷

99. See fo example; Couson, N.J, Conflicts and tentions in Islamic Jurisprudence, London, The University of Chicago press, N.D.

p78, York. The free press, Encyclopedia of Crime and Justice,
New 1983, Vol 1.p 194.

۱۰۰۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد چہارم، ص ۳۰۰-۳۰۲

۱۰۱۔ ایضاً، ص ۵۰۳-۵۱۰

102. Muhammad Khalifa, The Sublime Quran and Orientalism,
London & New York, Longman, 1983, p178.

۱۰۳۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد سوم، ص ۳۴۸

۱۰۴۔ النساء: ۲۰

۱۰۵۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد سوم، ص ۳۴۶

۱۰۶۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، ص ۳۳۱-۳۳۲